اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے انسانی زندگی پر اثرات

Impact of Allah Almighty's attribute of Mercy on Human life

Zulfiqar Ahmad

Doctoral Candidate, Department of Islamic studies, Gift University Gujranwala

Dr. Hafiz Mahmood Akhtar

Head of Department, Department of Islamic studies, Gift University Gujranwala

Abstract

The attribute of mercy of Allah almighty prevails over all other attributes. No matter how severely Allah Almighty treats man, in terms of purpose, the good of man lies in it. In this sense, the aspect of mercy is also found in all the other attributes. The attribute of mercy has a positive and profound effect on the human personality and character. As a result, a feeling of pity and compassion for other creatures is created in man. Moreover, it draws man's attention to the performance of good deeds. Above all, those who go to extremes in committing major sins are saved from falling into the mire of error, disorder and rebellion when the good news of forgiveness is announced as a result of repentance.

Keywords: Attribute of mercy, Human character and morality, safety from sin and ignorance

تمہید

قرآن مجید کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی صفات ، اللہ کے بندوں سے تعلق اور ان سے برتاؤ کرنے کے پیمانے ہیں کہ وہ اپنے بندوں سے کیسا سلوک کرتا ہے۔ اس سلوک کے پیمانوں اور معیارات کا اظہار اس کی صفات سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے کن کاموں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناراض ہوتاہے۔ اسی طرح انسانوں کو بھی اس بات کا علم ان صفاتِ الٰہیہ سے ہی ہوتا ہے کہ اللہ انسان سے کیا چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس انداز پر ڈھالیں کہ انہیں اللہ کا قرب اور رضا حاصل ہو، ان کا طرزِ عمل

کیسا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کائنات کی خالق ہے۔ اس نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی پہچان اس کی صفات سے ہو رہی ہے جو کہ اُس کے اسماء سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اسمائے الٰہی سے صفاتِ الٰہیہ کا پتہ چلتا ہے اور صفاتِ الٰہی کے گہرے مطالعہ سے اللہ اور بندے کے تعلق کا علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کیا سلوک کرتے ہیں۔اس بابت قرآن انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ :یہ اسمائے الٰہی یعنی صفاتِ الٰہیہ سب سے بہتر اور اچھی ہیں۔ اس کے لئے حسن کا لفظ آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے [1]هُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اُس(اللہ تعالیٰ)کے سب سے اچھے نام ہیں۔ان اسماء سے جو کہ صفاتِ الٰہیہ کا دوسرا نام ہیں اللہ کا بندے سے تعلق اور برتاؤ ظاہر ہوتا ہے اور یہ اس آیتِ مبارکہ کے حصہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے برتاؤ کس قدر اچھا ہوگا۔ جب صفاتِ باری تعالیٰ کو "الحسنیٰ "کہا جا رہا ہے تو یہ تعلق اور برتاؤ بھی اچھے سے اچھا ہی ہوگا۔اِن صفاتِ الٰہیہ میں صفتِ رحم، صفتِ عدل، صفتِ جبر تواب اور غفار اور پھر بھی ہے اور صفتِ قہر، صفتِ انتقام، صفتِ عزیز بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صفتِ صفتِ ربوبیت بھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی صفات ہیں اپنے بندے کے ساتھ برتاؤ اللہ کی انہی صفات کا پرتوہے۔ یہی صفات بندے کے ساتھ اللہ کے تعلق کا پیمانہ اور معیار ہیں لیکن اللہ اور بندے کے تعلق کے سلسلہ میں ان مندرجہ بالا صفات کو برتری حاصل ہے۔ ان میں سے بھی صفتِ رحمت کو دوسری تمام صفات پر غلبہ حاصل ہے۔اس بابت قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ[2] اورمیری رحمت ہر چیز پر محیط ھے قرآن مجید کے دوسرے" مقام پر فرمایااِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ[3] بیشک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔)

:صفتِ رحمتِ الٰہی اور انسانی زندگی

ان مذکورہ بالا صفات کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ صفتِ رحمت کو چونکہ دوسری تمام صفات پر برتری حاصل ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ صفتِ رحمت کے دوسری صفات سے بالاتر ہونے کا بھی قرآن نے بتا دیا اور دوسری تمام صفات کا بھی مقاصد کے لحاظ سے انسان کے لئے رحمت ہونا قرآنی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے۔ مشکلات سے نکال کر ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنااور محرومیوں سے نکال کر امید کی راہ پر چلاناہے۔ رحمت کی ایک شکل یہ ہے کہ انسان کو گمراہیوں سے نکال کر ایسی راہوں پر گامزن کیا جائے کہ ان کا انجام کامیابی اور فلاغ پر منتج ہو کیونکہ قرآن کا تو مقصد ہی بندوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لانا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن کا تعلق انسان کی پیدائش کے ابتدائی مرحلہ سے لے کر قیامت کے روز جنت یا جہنم کے فیصلے تک محیط ہے۔ پیدائش کے تمام مراحل،اس کا اس دنیا میں آنا، اسے بہترین ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کا عطا کیا جانا، اس کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے اسے تمام ضروریات کی فراہمی، اس کا رزق، اس کا ذہنی سکون، ہدایت کا نصیب ہونا ، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتوں اور خصوصاً ہدایت کی فراہمی کو قرآن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان قرار دیا گیا ہے، سورۃ بلد میں دو آنکھوں اور ہونٹوں کے عطا کیے جانے کا ذکر کر کے مزید فرما دیا کہ انسان کو خیر اور شر میں فرق کرنے کی صلاحیت بھی دے دی۔ ارشاد ہوا: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ[4] (خیر و شر کے) دو نور بھی دکھا دیئے۔ ایک اور مقام پر سورج، چاند، دن ، رات، زمین اور آسمان کی قسم کھا کر نیکی اور بدی میں پہچان کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا[5]پھر اس کو بدکاری(سے بچنے)اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔سید قطب شہید اپنی تالیف ”فی ظلال القرآن “میں اس بارے میں لکھتے ہیں۔”پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ خیر و شر کو سمجھے اور یہ سمجھے کہ جنت کا راستہ کون سا ہے اور جہنم کا راستہ کون سا ہے۔ یوں یہ ہدایت کر کے اللہ نے انسان پر یہ احسان کیا ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کر لے۔[6]“ اسی حوالے سے قرآن کو ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا۔ سورۃ لقمان کی آیت نمبر 2 ، سورۃ النحل کی آیت نمبر 89 اور دیگر آیات میں قرآن کو ھدی و رحمۃ قرار دیا گیا۔ اسلام کے آغاز تک مکہ والوں کے پاس ایک عرصہ سے کوئی الہامی ہدایت موجود نہ تھی اور وہ تقلید آباء پر اس طرح قائم تھے کہ اس سے ہٹنا ان کے لیے ممکن ہی نہ تھا۔ یہ ایسا ہی تھا کہ گویا کوئی شخص صحرا میں کھڑا ہو، اس کے پاس زادِراہ نہ ہو، راستے کا بھی تعین نہ ہو۔ دنیا اور آخرت کی فلاح کی ضمانت قرآن مجید، نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اتباع میں رکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی رحمت کا تعلق انسان کی زندگی کے پورے لائحہ عمل سے بن جاتا ہے۔ قرآن کو بھی رحمت کہا گیا اور نبی کریم ﷺ کو قرآن نے رحمت قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[7] (اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے(سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں فرمایا :قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا-هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ[8] (تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کی سب دولت سے بہتر ہے۔)گویا اللہ تعالیٰ کی انسان پر سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس کو نیکی و بدی کی پہچان کی صلاحیت دی اور ہدایت کے راستہ کی طرف رہنمائی کی۔ اس طرح وہ نفس کی خواہشات پر چلتے رہنے اور مظالم سے بچ جاتا ہے اور سب سے بڑے ظلم شرک سے بچ کر توحید کی دولت سے مالا مال ہو کر کردار و عمل اور سوچ میں پختگی ، ہمہ گیری اور اطمینان حاصل کرلیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا ذکر سورۃ رحمٰن کے آغاز میں باقاعدہ ترتیب سے کیا گیا ہے۔ آغاز میں اللہ تعالیٰ کے رحمٰن ہونے کا ذکر کیا اور پھر ساتھ ہی بتا دیا کہ اُس ذاتِ پاک کی بڑی رحمت اور احسان یہ ہے کہ جس وجہ سے وہ رحمٰن ہے :اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ[9] (اللہ تعالیٰ جو نہایت مہربان ہے۔ اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی ، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن میں ان عظیم نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں قرآن کا سکھایا جانا، انسان کا پیدا کرنا اور انسان کو بولنا سکھانا اولیت کی حامل

ہیں۔علامہ جلال الدین سیوطی ''دُرِّ منثور ''میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس نے ہمیں کامیابی اور ناکامی کی راہیں بتلائیں۔یہ قوموں کے عروج وزوال کے اصول بتلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو ترقیاں اور بلندیاں قرآن پر عمل کرنے کی بنا کر عطا فرماتے ہیں اور بہت سی قوموں کو قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے پستیوں اور ذلتوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بیان کرنے سے مراد دنیا و آخرت کا بیان اور حلال و حرام میں تمیز کے سکھائے جانے کا بیان مولاناشبیر احمد عثمانی نے بھی قرآن کے سکھائے جانے کو اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور رحمت [10]''شامل ہے۔ :کہا ہے۔ وہ ''تفسیر عثمانی ''میں لکھتے ہیں۔جو (قرآن)اس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں '' میں سب سے بڑی نعمت و رحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البیان ہستی کو آسمان اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دیا کیونکہ اس نے انسان کو جن صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا تھا، اسے ہی معلوم تھا کہ یہ انسان ہی ہے کہ جو زمین پر اللہ کی خلافت کا حق دار بھی ہے اور اس میں ہی اس بار امانت کو اٹھانے کی صلاحیت موجود ہے۔ قرآن مجید ہمارے لیے نجات اور کامیابی کی ضمانت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے قریب فتنے پیدا ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ اس وقت ہمیں کیا کرنا ہو گا، تو آپ نے فرمایا تم اس وقت قرآن کو مضبوطی سے تھام لینا۔ گویا اللہ کی ایک رحمت قرآن ہے اور یہی رحمت قیامت کے قرب میں فلاح کا راستہ قرآنی تعلیمات کا سکھایا جانا اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمت اور فضل ہے جس پر عمل کر کے انسان نہ [11]''ہے۔ صرف اخروی کامیابی حاصل کرتا ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی مختلف علوم و فنون اور سیاسی ، معاشی، عمرانی ، معاشرتی اور اخلاقی امور میں مہارت حاصل کرلیتا ہے کیونکہ قرآن نے تو بار بار تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے۔اللہ نے انسان کو خیر اور شر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دے دیا اور فرمایا من شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر)الکہف 29:18 (فطری صلاحیت میں خیر وشر کی پہچان رکھی اور مزید اس کی پہچان کے لیے قرآن مجید عطا کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کا عملی نمونہ عطا کر کے بتا دیا کہ من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً)الاحزاب 71:33 (۔اس کامیابی کے لیے فلاح کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ۔)النور51:24(اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تعلق اور برتاؤ ہے کہ بندے اور اس کے مالک کے درمیان اساسی پیمانہ اور پالیسی میں برتاؤ رحم ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر کیا گیا ہے بلکہ آغاز ہی رحمانیت، رحیمیت اور ربوبیت سے کیا گیا ہے۔ اس صفتِ الٰہی کے دوسری صفاتِ الٰہیہ پر غالب ہونے میں بہت سی حکمتیں ہیں جو کہ تمام کی تمام انسانی فلاح اور بھلائی پر منتج ہوتی ہیں۔ خواہ یہ بھلائی اُس کی دنیاوی زندگی سے متعلق ہو یا اُخروی زندگی سے۔ جہاں تک انسان کی زندگی کا تعلق ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا اُس پر رحم کرنا اور مسلسل رحم کرتے جانا، اس کے لئے بڑا انعام اور اُس کے کردار کو مثبت خطوط میں لانے کا بہت بڑا ذریعہ

ہے۔ انسان پر اُس کے خالق کی طرف سے مسلسل رحم کرنے اور خطاؤں پر مغفرت کے نتیجہ میں انسان کے کردار میں بھی دوسروں سے سلوک کے دوران ایسی صفات ابھریں گی جو اُس کی زندگی کو مثبت دھارے میں تبدیل کریں گی۔نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ کہ اللہ کی انسانوں ہماری عملی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یوں گہرا تعلق ہے کے ساتھ حکمتِ عملی اور پالیسی کو تم بھی اپناؤ۔ اور رحمت الٰہی کے بغیر زندگی کا ایک لمحہ بھی ممکن نہیں لیکن قرآن مجید نے بعض پہلوؤں سے انسانی زندگی اور رحمت کے تعلق کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر11 میں واقعہ افک بیان ہوا ہے۔ اس میں ایک پاکباز محترم خاتون پر کچھ منافقوں کے خبثِ باطن کی وجہ سے الزام تراشی ہوئی۔ ایک محترم خاتون کے بارے میں مدینہ میں ایسی فضا بنادی گئی کہ لوگ اپنی مجلسوں میں اس الزام تراشی کے بارے مختلف طریقوں سے زبان درازی کرتے۔ منافقوں کو موقع مل جاتا کہ معزز ومحترم خاتون کے بارے میں مزے لے لے کر باتیں کرتے ۔ اس ماحول میں معاشرے میں ہیجانی فضا پیدا ہوگئی۔اس واقعے کے تناظر میں قرآن ہمیں ہدایت دیتا ہے کہ معاشرے میں ایسی فضا نہیں پیدا کرنی چاہیے کہ پاکباز لوگوں کو بدنام کرنے کا ماحول پیدا ہو جائے۔ لوگوں کو دوسروں کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کا موقع ملے اور کسی کی عزت دوسروں سے محفوظ نہ رہے۔ اس طرح تو معاشرے کے اندر بے سکونی، دوسروں کی بے توقیری، دوسروں کی پگڑیاں اچھالنے کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ دشمنیاں جنم لیں گی اور اسلامی معاشرے کی وہ اقدار جن کا مقصد یہ ہے کہ ہر کوئی دوسرےکی زبان سے محفوظ ہو، معاشرے میں عزت واحترام کا ماحول ہو، معاشرہ ہاتھوں کی انگلیوں کی طرح ایک دوسرے سے پیوست ہو، اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس موقع پر سورۃ النورہی میں فرمایا کہ اگر خاتونِ محترم کے بارے زبان درازیاں کرنے کے ماحول میں اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو جن کاموں میں پڑگئے تھے اس کی پاداش میں تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ ہمارے عصری تناظر میں قرآ ن کے اس مضمون کی بڑی اہمیت ہے کہ اگر معاشرے کے افراد ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگ جائیں تو معاشرتی اتحاد، وقار اورعزت واحترامِ باہمی ختم ہوجائے گا، وحدت ختم ہو جائے گی۔ اس کی جگہ انتشار وافتراق جگہ لے لے گا، جو معاشرے کی بے عزتی کا سبب بنے گا۔ موجودہ معاشرے سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا اٹھ جانا اور معاشرے کا بے توقیر ہو جانا اس مضمون کے ثمرات کا ایک نمونہ ہے۔ گویا یہاں اس معاشرے پر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت تھی جس وجہ سے معاشرے کو انتشار کا شکار ہونے سے اللہ نے بچا لیا۔ گویا معاشرے کا متحد رہنا اللہ کے فضل اور رحمت کی موجودگی کی علامت ہے۔ قرآن میں معاشرے کے اتحاد کو اللہ کی رحمت قرار دیا گیا ہے کہ منافقین نے مسلمانوں کو جو اتحاد کا نمونہ بن گئے تھے، لڑا دیا۔ قرآن میں آیت نازل ہوئی کہ تم اللہ کی نعمت کی ناشکری کس طرح کرتے ہو کہ تمہارے اندر اللہ کی کئی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ تمہارے اندر موجود ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ تم انتشار

وافتراق کی آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے کہ اللہ نے قرآن جیسی رحمت کے ذریعے تمہیں آگ کے اس گڑے میں گرنے سے بچا لیا۔ گویا اللہ کی رحمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس قرآن اور نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ذریعے انتشار وافتراق کو ختم کر کے وحدت کی نعمت عطا کی۔ سورۃ النور کی آیت نمبر 20 میں فرمایا کہ تم پر اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو معاشرے کو انتشار کا شکار کرنے اور مسلمانوں میں بے حیائی عام کرنے کے برے نتائج کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ، اللہ تم پر بڑا ہی رؤف اور رحیم ہے کہ اس نے واقعہ افک کے تمام منفی اثرات سے تمہیں بچا لیا۔ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے سورۃ النور کی آیت نمبر21 میں فرمایااے ایمان والو !شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اور جو شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا وہ تو بے حیائی اور برے کاموں ہی کا حکم دیتا ہے۔ واقعہ افک کے نتیجے میں اس نے ایسا ہی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی پاک صاف نہ رہ سکتا۔

انسانی زندگی میں اللہ کی رحمت کی کارفرمائی اور اس کے اثرات کا ایک پہلو یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 73 اور 74 سے قبل یہود کے حسد کی بات بیان کی گئی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ نبوت ورسالت نبی اکرم کو کیوں ملی ہے، اس پر انہیں کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ اپنے فضل اور رحمت کو جس کے لیے چاہئے مخصوص کر دے یہ کسی کا استحقاق نہیں ہے۔ اس کا اطلاق یوں ہو گا کہ علم اور ہدایت کا کسی کے لیے مختص ہو جانا بھی اللہ کی رحمت کا ایک اظہار ہے۔ جسے یہ نعمتیں عطا ہوئیں گویا وہ اللہ کا شکر گزار بنے کہ اللہ نے اسے بڑا اعزاز دیا ہے۔ اللہ کی رحمت کا ایک مظہر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اللہ کے احکام اور اس سے کیے گیے وعدوں پر عمل نہیں کرتا ، بلکہ سرکشی کرتا ہے، اللہ اسے بار بار معاف کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف نہ کرے، پہلے ہی گناہ پر سزا میں مبتلا کر دے لیکن وہ مہلت دیتا ہے،بار بار معاف کرتا ہے۔ قرآن انسان کے اس رویے پر اللہ کی مہلت کو بھی رحمت کہتا ہے ، معاف کرنے سے انسان کو سوچنے سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

صفتِ رحمتِ الٰہی اور انسانیت کی نشوو ارتقاء

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں کہ اپنی صفتِ رحمت کو دوسری تمام صفات پر غالب رکھا ہے۔ دوسری صفات میں بھی صفتِ رحمت کے عنصر کو کسی نہ کسی شکل میں ضرور پنہاں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور اس بابت دوسری صفات ربوبیت، غفوریت اور عدل وغیرہ ایسی صفات ہیں جن کے بغیر انسانیت کی نشوو ارتقا ناممکن ہے۔مولانا ابو الکلام آزاد قرآن کے آغاز میں صفاتِ الٰہیہ ربوبیت، رحمت اور عدالت کے آنے کی ضرورت اور اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:پھر حمد کے بعد خدا کی عالمگیر" : ربوبیت ، رحمت اور عدالت کا ذکر کیا ہے اور اس طرح صفاتِ الٰہی کی ایک ایسی مکمل شبیہہ کھینچ دی ہے جو انسان کو وہ سب کچھ دے دیتی ہے جس کی انسانیت کے نشوو ارتقاء کے لئے ضرورت ہے اور ان تمام گمراہیوں

مولانا ابو الکلام نے اس بات کی وضاحت کی [12] سے محفوظ کر دیتی ہے جو اس راہ میں اسے پیش آ سکتی ہیں"۔ ہے کہ قرآن کے آغاز میں ہی انسان کو اس کے خالق کی طرف سے ایسا اطمینان دلایا گیا ہے کہ اُس کا خالق نہ صرف اُس کا رب ہے بلکہ رحمٰن، رحیم اور عادل بھی ہے۔ اور اس میں قوم یا قبیلہ کی تخصیص نہ ہے بلکہ ہر انسان کے ساتھ اُس کے خالق کا رویہ رحمانہ ہے۔اسی لیے رب العالمین کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ انسان جب اپنی زندگی کے بارے میں راہنمائی کے لیے نسخہ کیمیا کا مطالعہ کرتا ہے اور آغاز سے ہی اس کو اپنے خالق کی طرف سے محبت اور رحم بھرا پیغام ملتا ہے تو اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے جو اُس کی شخصیت کی نشوونما میں بہتری کا سبب بنتا ہے۔ اس کے بعد پورے قرآن میں جب بار بار ہر چیز کے بارے میں اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ صرف انسان کی خاطر پیدا کی گئی ہے تو اُس کی شخصیت میں مزید ارتقاء اور اعتماد جد وجہد کا شوق و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کائنات کی ہر چیز کی تخلیق کی وجہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ بار بار دوہرائے ہیں، لَکُمْ اور سَخَّرَ لَکُمْ۔وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [13] اور اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا۔ اس سے بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہیں۔"مثلاً سورۃ النحل کی آیات 12 تا 14، سورۃ ابراہیم کی آیات 32 تا 34 اور سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 29 میں فرمایا ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً اللہ کی ذات وہ ہے جس نے جوکچھ زمین میں ہے وہ سب کچھ تمارے لیے پیدا کیا۔ ان آیاتِ کریمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہے ۔ انسان کو جب یہ یقین جو جاتا ہے کہ اس کا خالق اس پر اتنا زیادہ مہربان ہے تو وہ اعتماد، اطمینان اور ذہنی و دلی سکون سے اپنے خالق کے احکامات کی بجا آوری پر متوجہ ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس کے کردار پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور انسان میں سرگرمی فعالیت اور ان زمینی خزانوں سے استفادے کیلئے جد وجہد کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔مولانا مودودی کائنات کی تمام اشیاء کی پیدائش کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کو ان قوانین کے تابع اور پابند بنادیا ہے جن کی بدولت وہ انسان کے لئے نافع ہو گئی ہیں۔ کشتی اگر فطرت کے چند مخصوص قوانین کی پابند نہ ہوتی تو انسان کبھی بحری سفر نہ کر سکتا۔ دریا اگر مخصوص قوانین میں جکڑے ہوئے نہ ہوتے تو کبھی اُن سے نہریں نہ نکالی جا سکتیں۔ سورج اور چاند اور روز و شب اگر ضابطوں میں کسے ہوئے نہ ہوتے تو یہاں زندگی ہی ممکن نہ ہوتی۔ گُیا کہ ایک پھلتا پھولتا انسانی تمدن وجود میں آ سکتا۔ [14]" اس سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ایسے قانون اور مدار میں چل رہی ہے جس میں انسانی زندگی کو فائدہ مل رہا ہے۔ مزید یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں اور انعامات نہ ہوتے تو زندگی ہی ممکن نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے اِس فضل اور رحمت کا اتنا اثر ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو انسانی معاشرہ ہی وجود میں نہ آتا۔ یہ اُس کی رحمت ہی ہے کہ انسان

کے لئے تمام دوسری مخلوقات مسخر کر دی گئی ہیں۔ جس سے انسانی زندگی خوشحال اور اطمینان بخش ہوگئی ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی چیزیں سورج، چاند وغیرہ کی انسان کے لئے تسخیر کا ذکر کرتے ہوئے یہاں تک فرما دیا کہ ربّ تعالیٰ نے وہ کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اور مزید یہ کہ تم اگر اپنے خالق کی نعمتوں اور احسانات کو گننا چاہو تو نہ گن سکو۔ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [15] اور اس(اللہ تعالیٰ(نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ اس کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی رحمتِ خاص سے وہ سب کچھ عطا کردیا جو کہ انسان کی زندگی کی بقاء، ارتقاء اور افزائش کے لئے ضروری تھا۔ مولانا مودودی اس بابت تفسیر "تفہیم القرآن "میں یوں رقمطراز ہیں:"یعنی تمہاری فطرت کی ہر مانگ پوری کی ، تمہاری زندگی کے لئے جو جو کچھ مطلوب تھا مہیا کیا، تمہاری بقا اور ارتقاء کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت تھی سب فراہم کر دیئے"[16] ان سب انعامات اور عطیات کو اللہ نے اپنی رحمت کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ قرآں نے یہ اصول بھی بتا دیا ہے کہ انسان اللہ سے دعائیں کرے، اس سے مانگے اور اپنا طرزِ عمل درست رکھے تو اس رویے پر بھی اللہ تعالیٰ انسانوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ گویا اللہ کی رحمت کے حصول کا ایک ذریعہ اللہ کے احکام کی اتباع اور نیکی کے کام کرنا بھی ہے، سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 56 میں اس بابت ذکر کیا اور فرمایا ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ اللہ کی ذات نیت اعمال کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور انسانی کردار

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے انسانی کردار پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن صفتِ رحمت انسانی شخصیت اور کردار کو بنانے اور سنوارنے میں بہت اثر رکھتی ہے۔ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اُس کا خالق ہر حال میں اُس پر مہربانی کیے جا رہا ہے تو اُس کے نتیجہ میں اُس کے کردار میں بلند حوصلگی ، رحم، تواضع اور دردِ دل پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے نتیجہ میں انسانی شخصیت میں جرأت اور حوصلہ کی سی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اُسے جب قرآنی تعلیمات کے ذریعے سے یہ علم ہوتا ہے کہ اُس کا خالق اُس پر بہت مہربان ہے اور وہ حق پر چلنے والوں کے ساتھ ہے تو اس کے اندر جرأت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس کی شخصیت میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اندر حق پر قائم رہنے اور باطل کا سامنا کرنے میں کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں قرآن میں کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقین، صابرین اور نیکوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسے لوگوں کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [17] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"یہاں صبر " کرنے والوں کو حوصلہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اُن کے ساتھ ہے ۔ جس کو خالق کی طرف سے یہ

حوصلہ مل جائے کہ حق پر کاربند رہتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے تو پھر اس میں ہمت اور حوصلہ پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے فضل سے انسان کے بہت بڑے وصف صبر اور پھر نماز کی ادائیگی کا ذکر کر کے ان پر کاربند رہنے والوں کو صابر کہہ دیا اور ان کو اپنی مدد کا یقین دلوایا ۔سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 45 اور 153 میں فرمایا: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ)اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو(۔صبر کرنے سے انسان کے کردار میں مصیبت پر لڑکھڑا نہ جانا، حوصلہ نہ ہار جانا،شخصیت میں پختگی اور حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔ انسانی شخصیت پر یہ مثبت اثر پڑتا ہے کہ مصیبت پر آہ وپکار کرنے، اپنے آپ کو مظلوم بنا کر دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو کمزور اور عاجز کے طور پر پیش کر کے اپنی عزت کو کم کرنے کی بجائے انسان اپنے رب کے ساتھ ہی معاملہ طے کر لے اور انسانوں کے سامنے اپنے آپ کو نہ گرائے ۔ جب انسان اپنے آپ کو مظلوم اور کمزور محسوس کرے گا تو لازماً اس کی سوچ اور عزتِ نفس پر منفی اثر پڑے گا۔ اس بابت مولانا مودودی لکھتے ہیں:یعنی اس بھاری خدمت کا بوجھ اٹھانے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہے وہ تمہیں دو چیزوں سے حاصل ہوگی، ایک یہ کہ صبر کی صفت اپنے اندر پرورش کرو دوسرے یہ کہ نماز کے عمل سے اپنے آپ کو مضبوط کرو۔ آگے چل کر مختلف مقامات پر اس امر کی تشریح ہوگی کہ صبر بہت سے اہم ترین اخلاقی اوصاف کے لئے ایک جامع عنوان ہے اور حقیقت میں یہ وہ کلیدِ کامیابی ہے جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نماز کے متعلق بھی قرآن میں مختلف مقامات پر اس چیز کا ذکر ہے کہ یہ کس طرح افرادِ مومنین اور جماعتِ مومنین کو اس کارِ عظیم کے لئے تیار کرتی ہے۔[18] اس بابت مولانا عبدالماجد دریا بادی نے یوں بیان کیا ہے۔یہاں یہ ہیئت عام نہیں بلکہ ہیئتِ خصوصی مراد ہے، جس کے آثار حفاظت، اعانت اور توجہ خاص " ہیں۔ یہ اُسی معیتِ الٰہی کا احساس تھا جس نے رسولِ کریم ﷺ کے صحابہ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا اور حق یہ ہے کہ اس مراقبہ سے بڑھ کر نہ روح کے لئے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحتِ قلب کے لئے کوئی مرہم تسکین۔ یہی ایک تصور ہے اہلِ ایمان کے لئے جو ہر ناگوار کو خوشگوار، ہر تلخ کو شیریں ، ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔"[19] اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت بندے کے اندر جرأت اور بے خوفی پیدا کر دیتی ہے اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس کی مثال بھی بیان کردی ہے کہ صبر کے نتیجہ میں صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچنے سے ان کی شخصیات میں کیسی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔مزید یہ کہ رحمتِ الٰہی کے قرآنی تصور کے نتیجہ میں انسان کی شخصیت اور کردار میں آفاقیت کا احساس اور تصور پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اُسے قرآنی تعلیمات کی رو سے اس حقیقت سے آگاہی ملتی ہے کہ اُس کا خالق صرف اُس کا ہی رب نہیں ہے بلکہ رب العالمین اور رب الناس ہے اور تمام نعمتیں انسان کے لئے

پیدا کی گئی ہیں تو اس کے اندر ایسا تصور جاگزیں ہوتا ہے کہ اُس کا تعلق کسی ایک انسان سے نہیں بلکہ پوری انسانیت سے ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انسان نفسیاتی طور پر تقویت حاصل کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات مالک الملک، احکام الحاکمین اور واحد کارساز ہونے کے باوجود اپنےنیک بندوں کو انعامات سے نوازتا اور اپنی رحمت سے مزید رحم کرتے ہوئے ان کے اعمال کو کئی گنا بڑھا کر اُن کا صلہ عطا کرتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ گناہ گاروں کو فوری پکڑنے کی بجائے مہلت دیتا ہے اور بار بار سمجھانےکے باوجود بھی جو ظلم سے باز نہ آئیں ان کو مصلحت کی خاطر اگر عذاب دیتا بھی ہے تو وجہ ضرور بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہ رکھنے والوں اور صرف دنیاوی زندگی پر ہی مطمئن ہونے والوں کا ٹھکانہ دوزخ بتایا تو ساتھ وجہ بھی بتا دی کہ یہ انکے کئے کا بدل ہے۔اسلام کا تصور حیات اور تصور الٰہ ، انسان میں محرومی اور ناکامی کے احساسات پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان میں جب کوئی طلب پیدا ہوتی ہےوہ اس کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے، اللہ سے مدد طلب کرتا ہے اور اسے اس کی مطلوبہ چیز مل جاتی ہے وہ اللہ کا شکر بجا لاتا ہے۔ اللہ کا ضابطہ یہ ہے کہ نعمت ملنے پر اگر اس کا شکر بجا لایا جائے تو وہ نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے ۔ سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر تم اللہ کا شکر بجا لاؤ گے تو وہ نعمتوں میں مزید اضافہ کردے گا۔ اس طرح انسان کا اللہ کے ساتھ تعلق ایک تسلسل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بندہ کو طلب ہوتی ہے، محنت کرتا ہے، اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ سے تعلق قائم رہتا ہے۔ اس کی زندگی میں سرگرمی بھی جاری رہتی ہے اسے دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کر کے اپنی دنیوی زندگی کو بہتر بنانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ خوشحال زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے۔ دوسری طرف اگر انسان میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے وہ اللہ سے مانگتا ہے لیکن اگر اس کے لیے وہ چیزفائدے مند نہ ہو تو اللہ اسے وہ نہیں عطا کرتا کیونکہ اس سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کیا یہ بھی اللہ کی رحمت نہیں کہ وہ چیز جس کے برے اثرات سے انسان آگاہ نہ تھا وہ اپنے لیے وہ چیز مانگ رہا تھا، اللہ نے اسے اس چیز سے بچا لیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :عَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[20] (ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ایک چیز کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر نہ ہو، اور اللہ تمہارے بھلے اور برے کے بارے جانتا ہےاور تم نہیں جانتے۔(ایسی ہی بات کا ذکر سورۃ النساء کی آیت نمبر 19 میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنے لیے ایک چیز کو ناپسند کرو اور حقیقت میں وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہو۔ گویا یہ بات بھی اللہ کا ایک احسان ہے کہ مفید وغیر مفید کا فیصلہ بھی اللہ نے خود اپنے ہاتھ میں رکھ کر ہمیں اس امتحان میں نہیں ڈالا کہ ہم خود ہی فیصلے کریں کہ کیا مفید ہے اور کیا غیر مفید ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہی ہے کہ ایک ایسی چیز جو ہمارے لیے مفید نہیں تھی اور ہم اس کے حصول کی خواہش کریں، اس کا فیصلہ اس نے اپنے

پاس رکھا ہے لیکن یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے فیصلوں میں اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اس سورۃ الرحمن کے دوسرے رکوع میں انسان کو مرنے کے بعد پیش آنے والے مختلف کے سرکش نہیں ہیں۔ عذابوں اور مناظرے سے آگاہ کیا گیا ہے یہ بات بظاہر بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ ایک طرف جہنم کے سخت عذاب کی وعیدیں سنائی جا رہی ہیں اور دوسری طرف ہر آیت کے آخر میں فرمایا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس کی ایک توجیہہ کی گئی ہے کہ کسی کو اس کے برے انجام کی خبر دینا بھی اس پر احسان ہے کہ اسے وعید سنا کر اس برے عمل سے روکا جائے۔ اگر انسان بد عملی کی وجہ سے اس عذاب میں مبتلا ہو گیا تو اس کی بد نصیبی تھی۔ اللہ نے اسے اس کے برے انجام سے آگاہ کر دیا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص کسی کو بتا دے کہ تم جس راستے پر چل رہے ہو اس میں آگے ایک بڑا خوفناک درندہ یا سانپ بیٹھا ہے۔ یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تم آگے نہ جاؤ، گویا انسان کو اس کے برے انجام سے آگاہ کرنا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے رحمۃ العالمین ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے ناکامی کے تمام راستوں سے آگاہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم بھاگ بھاگ کر جہنم کی آگ کی طرف جارہے ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر اس سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے: أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[21] "ان کا ٹھکانہ ان (کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے۔) اعمال" سب سے پہلے تو انسان کے بارے میں واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ عام مخلوق نہیں ہے بلکہ اسے ہم نے عزت و بزرگی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ[22] "اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی" یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء کو انسان کے لئے مسخر کردیا ہے۔ قرآن میں مسخر کرنے کا بھی ذکر کیا اور ساتھ ہر چیز کی پیدائش اور تخلیق کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس کے فوائد کی بھی وضاحت کی۔ یہاں تک کہ سورج اور چاند کا بھی اس بابت ذکر کردیا تاکہ انسان کے اندر اعتماد اور اطمینان پیدا ہو کہ اُس کا رب ہر چیز کے فوائد و نقصانات بھی بیان کررہا ہے اور ساتھ یہ بھی بیان کررہا ہے کہ یہ صرف انسان کے لئے ہے۔ ایک مقام پر زمین کے بارے میں فرمایا: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا O لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا "اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو"[23] پھرو'انسانی نفسیات، عزتِ نفس بلکہ یوں کہیے کہ انسانی محبت اور لاڈ کا اللہ تعالیٰ نے اس حد تک خیال رکھا ہے کہ قرآن میں تمام اوامر، نواہی اور سزاؤں اور انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ مقاصد، وجوہات اور علتیں ضرور بیان فرمائی ہیں۔ وہ احکام الحاکمین، اپنے شاہکار (انسان) کی نفسیات کا اس حد تک خیال رکھ رہا ہے کہ اپنے ہر امر کی وضاحت بھی کر رہا ہے تاکہ انسان مطمئن رہے۔ ایسے بیانات میں بہت سے مقامات پر لعلکم کا لفظ اکثر آیا ہے۔ کسی جگہ پر لعلکم تفکرون، کسی جگہ پر لعلکم تفلحون اور کہیں پر لعلکم ترحمون کے الفاظ لا کر اپنے بندے کو تسلی دی گئی ہے۔ ایک جگہ تو یہاں تک بیان کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی کو یاد کرو کہ

تمہارے دلوں میں نفرت اور دشمنی کی بجائے محبت اور چاہت ڈال دی اور ایسی آیات کے نزول کا مقصد بھی بیان کردیا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔ :ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ[24] اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک جا چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔اِس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے دلوں میں دشمنی کو ختم کر کے محبت ڈال دی اور پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ ایسی آیات کو کھول کر بیان کیا جا رہا ہے تا کہ میرے بندے سیدھے راستے پر چل کر فلاح یاب ہو سکیں۔ایک :اور مقام پر ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ[25] مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اتنی مہربانی کر دی کہ ان کو ایک آفاقی رشتہ میں پرو دیا۔ تمام دنیا کے مومنین کو بلاتمیز قبیلہ و نسل کے، ایک ہی رشتہ اخوت میں سمو دیا اور مزید یہ کہ نفرت و دشمنی کی بجائے محبت سے رہنے اور آپس میں صلح کروانے کی ہدایت کردی۔ مزید اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور ساتھ وضاحت بھی کردی کہ یہ سب کچھ اس لیے کیا جا رہا ہے تا کہ تم پراللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو۔

:اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے انسانی اخلاق پر اثرات

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے انسانی اخلاق پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب انسان کو پتہ چلتا ہے کہ اُس کا رب تمام تر قدرتوں کے باوجود اپنے بندوں اور پھر گناہ گار بندوں پر بھی رحم کرتا ہے تو بندہ بھی انسانیت کے لئےاسی احساس اور محبت کا اظہار کرتا ہے بلکہ تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ محسوس کرناشروع کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی انتہا ہے کہ اپنے بندوں پر رحمت کے نزول کو اوّلیت اور برتری دی اور مزید یہ کہ بندوں کے ساتھ بندوں کو شفقت اور رحمت بھرا معاملہ کرنے کو بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ قرار دیا۔ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ)بنی اسرائیل 7:17 (وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ)البقرة 195:2 (انسان کے علاوہ دوسری تمام مخلوقات یہاں تک کہ پیاسے کتے کو ایک فاسق و فاجر عورت کا پانی پلانا بھی اُس کے لئے فلاح کا باعث بن سکتا ہے۔قرآن میں اللہ کی ایسی صفات غفور اور رحیم کو اکھٹے ذکر کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے اکھٹے ذکر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیاں کرنے والوں کی نہ صرف غلطیاں معاف کرتا ہے بلکہ بلا تفریق لوگوں پر رحم بھی کرتا ہے۔ معافی بھی دیتا ہے اور رحمت بھی کرتا ہے۔ اسی طرح فرمایا واللہ

یرزق من یشاء بغیر حساب یعنی وہ سب کو رزق دیتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ کوئی میرا فرمانبردار ہے یا نافرمان۔ میرا اقرار کرتا، مجھ پر ایمان لاتا ہے یا انکار کرتا ہے۔ اس طرح کے تمام اشارات ، ہمیں اس بات کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں بھی وسعت پیدا ہو، ہمارے رویوں میں رواداری اور حلم وبردباری پیدا ہو کہ ہمارے اچھے رویے محدود دائروں تک نہ تنگ ہو جائیں بلکہ تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری اور وسیع الظرفی پیدا ہو۔ انہی رویوں سے ایک وسیع الظرف اور وسیع النظر معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔اللہ تعالیٰ کی انسان پر مہربانی، فضل اور رحمت کا انسان پر یہ اثر ہو گا کہ وہ بھی دوسرے انسانوں بلکہ تمام مخلوقِ خدا پر ظلم کرنے سے باز رہے گا اور بھلائی سے پیش آئے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس بات کو وضاحت سے بیان فرما دیا ہے کہ جو شخص لوگوں سے نرمی سے پیش آتا ہے اللہ بھی اس سے نرمی اور رحمت سے پیش آتے ہیں اور جو لوگوں سے شدت اور ترش روئی سے پیش آتے ہیں اللہ بھی اس کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار لیتے ہیں۔ قرآن میں کہیں بھی مخلوقِ خدا سے ظلم کرنے کا ذکر نہ ملتا ہے۔ بلکہ کئی مقامات پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ خود ظلم کرتے ہیں اور نہ ظلم کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں بلکہ بھلائی کرنے اور انسانیت سے دردِ دِل کا سا سلوک روا رکھنے کا بار بار حکم ملتا ہے۔سور الحج کی آیت نمبر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں پر ذرہ برابر 10 بھی زیادتی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر بھوکے کو کھانا کھلانے، قیدی کو آزاد کرانے اور مانگنے والوں کو نہ جھڑکنے کا بار بار حکم ملتا ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ)9 (وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ[26] ''تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا''

رحمت کے نتیجہ میں کیفیات

انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نتیجہ میں انسان کے اندر ایسی ذہنی اور دلی کیفیات رونما ہوتی ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے بلکہ حقوق العباد کے معاملہ میں بھی وہ انتہائی ذمہ داری سے کام لیتا ہے۔ جب اُس پر مہربانی کی جا رہی ہوتی ہے اور مہربانی کرنے والے ربّ کائنات کی اُسے اس کا بدل بہتر طور پر دیئے جانے کا بھی اور مخلوق پر مہربانی کرنے کا اُس کے اندر شوق پیدا ہوتا ہے ۔ وعدہ کیا جاتا ہے۔

گمراہی سے بچاؤ

رحمت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی خطاکار پر رحم کرتے ہوئے اس کی خطاؤں کو معاف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات انسان پر اتنی مہربان ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر گناہ گاروں کو ''اے میرے بندو ''!کہہ کر پکارا گیا ہے اور یقین دہانی کروائی گئی ہے کہ تم گناہوں کی معافی تو مانگو تمہارا پروردِگار بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے انسان پر اتنا کرم کیا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں اور اپنی جانوں پر ظلم

کرنے ولاوں کو بھی مایوس نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو اگر معافی اور بخشش سے مایوس کیا جاتا تو وہ جہالت اور کفر کی مزید اتھاہ گہرائیوں میں جا سکتے تھے۔ اس لیےایسوں کو بہرحال ہر موڑ پر مہلت دی گئی تا کہ توبہ کرلیں۔ایک مقام پر فرمادیا :قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ [27] "(اے پیغمبر ﷺ !میری طرف سے لوگوں سے)کہہ دو کہ اے میرے بندو !جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہونا، خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے"اس کی تفسیر میں مولانا مودودی نے واضح کیا ہے کہ یہ آیت گناہِ کبیرہ کے مرتکبین کے لئے پیغامِ رحمت و امید ہے۔اس ضمن میں وہ اپنی تالیف "تفہیم القرآن "میں لکھتے ہیں:دراصل یہ آیت ان لوگوں کے لئے پیغامِ امید لے کر آئی تھی جو جاہلیت میں قتل، زنا، چوری ، ڈاکے اور ایسے ہی سخت گناہوں میں غرق رہ چکے تھے اور اس بات سے مایوس تھے کہ یہ قصور کبھی معاف ہو سکیں گے ۔ ان سے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، جو کچھ بھی تم کر چکے ہو، اس)توبہ)کے بعد اگر اپنے رب کی اطاعت کی طرف پلٹ آؤ تو سب کچھ معاف ہو جائے گا۔"[28]

رحم اور محبت سے احکام کی بجا آوری میں آسانی

یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان پیار، محبت اور رحم سے جس خلوص اور لگن سے سیکھتا ہے اور اعمالِ صالح کی بجا آوری کرتا ہے اس طرح سختی اور جبر سے کسی امر کی انجام دہی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق ہے اور وہ اپنے اس خلیفہ)انسان)کی فطرت سے واقف ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں بار بار اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے محبت اور رحم کا اظہار کیا ہے اور گناہ گار بندوں کو خصوصاً ایک خاص نسبت "اے میرے بندو "سے کئی مقامات پر پکار کر کہا ہے کہ میری رحمت سے نا امید نہ ہونا، کسی جگہ تسلی دی کہ میرے بندے میرے بارے پوچھیں تو کہنا کہ میں قریب ہوں اور ہر ایک کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور ارشاد ہوتا ہےوَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙفَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْابِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ[29] ۔کہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا اور)اے پیغمبر ﷺ (جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو)کہہ دو کہ (میں تو "تمہارے (پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دُعا قبول کرتا ہوں۔ تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ نیک راستہ پائیں۔"قرآن میں نہ صرف اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کا حکم ہے بلکہ اعمال کی بجا آوری کے ساتھ تفصیلاً انعاماتِ ربانی کے عطا کیے جانے کا ذکر بھی جابجا کیا گیا ہے۔ دنیا میں دلی سکون اور راحت اور آخرت میں جنت کی نعمتوں کا تفصیلاً ذکر کر کے انسان کو نیک اعمال کے بجا لانے کی طرف مرغوب کیا گیا ہے تا کہ وہ شوق اور لگن سے احکاماتِ الٰہیہ پر عمل کر کے فلاح

وکامیابی حاصل کرے۔ اس طرح کا بیان قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ رحمٰن میں بار بار اللہ تعالیٰ کے ایسے احسانات کا ذکر ملتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ [30] (اہل جنت) ایسے بچھونوں پر جن کے بستر اطلس کے ہیں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور دونوں باغوں کے میوے قریب (جھک رہے) ہیں۔

سختی سے متعلق احکاماتِ الٰہی میں وسیع حکمتیں اور انسانی بھلائی

اس کے ساتھ ہی قرآن میں اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات بیان ہوئی ہیں جن میں ہمیں سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ گویا یہ وہ ہدایات ہیں جن پر عمل کرنے میں ہی انسان کی بقاء اور اس کا وجود قائم رکھ سکنے کی ضمانت موجود ہے ورنہ انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر حالات اور مسائل کا شکار ہو کر اپنے آپ کو ضائع کر دے گا اور اپنا مقصدِ حیات کھو دے گا۔ ان جبری احکام کا قرآن میں جہاں بھی ذکر ہوا وہاں اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان ہوئیں جن میں اس کے اختیار مطلق اور اس اختیار اور حکم کے ماننے میں انسان کی بقاء کا ذکر ہے۔ ایسی صفات کے ساتھ "الحکیم "کی صفت بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کا یہ اقتدار و اختیار اندھا اختیار نہیں بلکہ "پُراز حکمت اختیار "ہے مثلاً العزیز میں اس کے اختیار کے غلبے کا ذکر ہے تو ساتھ ہی "العزیز الحکیم" بھی شامل کردیا گیا ہے۔ ایسی صفات بھی انسان کو حکم پر عمل کرنے کے لیے ترغیب کا اثر رکھتی ہیں کیونکہ اس کے ہر کام میں انسان کے لئے مصلحت اور بھلائی ہے۔ وہ ذاتِ پاک اگر سختی بھی ہے تو کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہے۔ اسی لیے قرآن میں جہاں بھی سختی یا سزا سے متعلقہ صفاتِ الٰہیہ کا ذکر آیا ہے وہاں "الحکیم "کا ذکر ضرور آیا ہے۔ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [31] کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے۔اس کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے جو بیان کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ہر کام میں انسان کے لئے حکمت اور مصلحت ہے، اگر سختی بھی ہے تو مقصد کے لحاظ سے اس میں انسان کی اصلاح ہی کا عنصر پنہاں ہے۔[32] اس سے بھی انسانی زندگی پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اگر انسان کو کوئی اقتدار اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے تو کسی انسان سے غلطی ہو جانے کی صورت میں سزا دیتے ہوئے ظلم کی بجائے رحم اور حکمت سے کام لینا ہی مصلحت کا حامل ہوگا۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں سریع الحساب اور سریع العقاب کہتے ہیں یا کسی طرح کی سزا کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ رحمٰن کے تیسرے اور چوتھے رکوع اورآخری دو پاروں میں جہنم کے نقشے بیان ہوئے ہیں ان کا مقصد بھی انسان پر خوف طاری کرنا نہیں بلکہ اس خوف سے اسے ایسے کاموں سے روکنا ہے جن کے نتیجہ میں انسان اور انسانی معاشرہ بے اعتدالی ، عدم توازن یا بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے انسانی زندگی پر مثبت اثرات تو مرتب ہوتے ہیں بلکہ سختی سے متعلق صفات کے بھی ایسے اثرات مرتب

انسانی معاشرہ سے جہالت، بے راہ روی اور ظلم کی روش ختم ہو جاتی ہے میں ہوتے ضرور ہیں جن کے نتیجہ اور انسان اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

توکل علی اللہ کا درس اللہ تعالیٰ رحمت ، اس کا انسانی زندگی پر اثر

قرآن کی متعدد آیات میں "توکل علی اللہ "مومنوں کی لازمی صفت قرار دی گئی ہے۔ توکل ایک ایسی صفت ہے جو انسان میں برائی کے خلاف جدوجہد کرنے، جدوجہد کے ذریعے آگے بڑھنے، زندگی کی کٹھن منزلوں کو طے کرنے، مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اپنا وجود اپنے نصب العین کے ساتھ قائم رکھنے کا حوصلہ توکل ہی پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور اسی ذات کو واحد کارساز سمجھنے کی تلقین کی اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور "گئی ہے۔ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ وَكِيْلًا[33] اللہ ہی کارساز کافی ہے"س کی وضاحت میں مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ مومنوں کو ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے کا درس دینے سے یہ سبق سکھانا ہے کہ ہر قسم کے حالات اور آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکمت ضرور کافرما ہوتی ہے۔وہ اپنی تالیف "بیان القرآن "میں یوں رقمطراز ہیں۔"اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے، اس لیے کچھ اندیشہ نہ کیجئے البتہ اگر اللہ امام غزالی نے توکل کی فضیلت پر اسی [34] "تعالیٰ ہی کی حکمت کسی ابتلاء کو مقتضی ہو تو وہ عین منفعت ہے۔ طرح بیان کیا ہے۔"توکل دین کی منازل میں سے ایک منزل اور یقین کے مقام میں سے ایک مقام بلکہ مقربین کے اعلیٰ درجات میں سے ایک ہے"۔[35]اس بابت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تالیف "حجۃ اللہ البالغہ " میں لکھتے ہیں۔"نیکیوں کی سب سے بڑی جڑ توحید ہے کیونکہ ان ملات جہار گانہ)طہارت، اخبات، سماحت، عدالت (میں جو حقیقی سعادت کے حصول کا موجب ہے، عظیم ترین خلق "اخبات "ہے جس کا مفہوم رب العالمین کی عظمت اور اس کے جلال و کبریائی کے سامنے ہر وقت عاجزی کے ساتھ جھکے رہنا ہے، اس اہم توکل علی اللہ ایسا موثر اور مضبوط ہتھیار ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی [36]"خلق کا حصول توحید پر موقوف ہے۔ سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کے مل جانے سے انسان کو راہِ حق پر چلنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی، اس سے انسان کی شخصیت میں حوصلہ اور جرأت پیدا ہوتی ہے۔ یہ توکل علی اللہ کا ہتھیار توحید ہی سے حاصل ہوتا ہے جو کہ نیکی اور خلق کی جڑ ہے۔

:اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرزنش اور جبر کے انسانی زندگی پر مثبت اثرات

اللہ تعالیٰ نے انسان پر رحم کرنے اور اس سے پیار کرنے کے ساتھ ساتھ سرزنش اور جبر سے بھی کام لیا سختی کا مقصد انسان کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ جیسا کہ ہے۔ اس میں انسان پر ظلم کرنا مقصد نہیں بلکہ ایسی زیادہ پیار اور لاڈ اولاد کو کردار میں لاپرواہ اور سست کر دیتا ہے اور ذمہ دارانہ رویے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اعمال کے نتائج سے قبل از وقت آگاہی اور سرزنش پر کردار و عمل میں جذبہ اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ

سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف پیار ہی نہیں دیا بلکہ ساتھ ساتھ ڈر بھی سنایا ہے تا کہ انسان راہِ راست پر قائم رہ کر کامیابی حاصل کرے۔ قرآن میں کئی مقامات پر انداز اور تبشیر کا اکٹھا بیان آیا ہے۔ انداز کا مقصد ہرگز انسان پر ظلم کرنا نہیں بلکہ برے اعمال کے برے نتائج سے بروقت مطلع کرنا ہے تا کہ انسان رسوائی اور ہلاکت سے بچ جائے۔ارشاد ہوتا ہے: وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[37] اس وقت(پر ان کے (تمام(برے اعمال ظاہر ہو کر رہیں گے اور انہیں وہ (عذاب) (گھیرے گا جس پر وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ برے اعمال کے برے نتائج سے عین اُس وقت مطلع کردینا جب نیک اعمال بجا لانے اور برے اعمال سے بچنے کا موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل ہے۔ یہ ایسا انداز ہے کہ اس کی بظاہر سختی میں رحمتِ الٰہی اور تبشیر کا پہلو پنہاں ہے۔ انسان کو کامیابی اور فلاح کی طرف لانے اور رسوائی سے بچانے کےلئے رحمت و محبتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ ایسی سرزنش اور جبر کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کو راہِ حق پر گامزن رکھے اور گمراہیوں سے بچائے۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تالیف تفسیر مظہری ''میں اس بابت جو لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو برے اعمال کے برے نتائج اور اعمال کی برائیوں کے ظاہر کیے جانے کا ذکر کیا ہے یہ ایک ایسا انداز ہے جس میں تبشیر کی روح پنہاں ہے کیونکہ اس انداز کی وجہ سے انسان برے اعمال اور ظلم سے باز رہتا ہے اور احکاماتِ الٰہیہ پر عمل کر کے اپنی عاقبت سنوارتا ہے۔[38]اس بابت حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی تالیف ''احسن البیان ''میں یوں لکھا ہے: ''یعنی دنیا میں جن محارم و معاثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آ جائے گی۔ وہ عذاب انہیں گھیرے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے۔''[39]

اللہ تعالیٰ نے انسان پر رحم کرتے ہوئے اسے گناہوں کی وجہ سے رسوائی اور ہلاکت جو پیش آنی تھی ، اُس سے آگاہ کردیا۔ اس وجہ سے انسان برے اعمال اور مظالم سے بچتے ہوئے اپنی زندگی احسن طریقے سے گزار سکے گا۔ اس سے اس کی شخصیت میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں گے جو اسے دنیا و آخرت میں فلاح یاب کریں گے۔ سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار انذار اور تبشیر کو بیان کیا ہے اور دونوں صورتوں یعنی سرزنش اور سزا کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کہا اور انعام اور جزا کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ[40]گناہ گار اپنے چہرے ہی سے پہچان لیے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔یہاں گناہ گاروں کے گناہوں کی سزا اور پکڑ کا ذکر کیا ہے جو بظاہر ڈر اور سختی ظاہر کررہا ہے لیکن ایسا ذکر کرنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیا اور اس کے فوراً بعد فرما دیا: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ[41] ارشاد ہوا: تو تم اپنے پروردِگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ متذکرہ بالا آیات میں گناہوں پر پکڑ اور سزا کے بعد ایسے بیان کرنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دے دیا کیونکہ انسان کو عین اس وقت اعمالِ باطلہ کے انجامِ بد سے مطلع کردینا اس کے حق میں

رحمت اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوگی جب اس کے پاس گناہ سے توبہ کرنے ، اعمالِ صالحہ بجا لانے اور اعمالِ باطلہ سے بچنے کا موقع ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی مسافر ایک راستہ پر چل رہا ہو اور سفر شروع کرنے سے پہلے اُسے راستہ میں آنے والے گڑھوں کا نہ صرف بتا دیا جائے بلکہ وہاں سے بچ کر نکلنے کا طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ بے احتیاطی سے گزرنے کی صورت میں گڑھے میں گرنے اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے والی ہلاکتوں کے بارے میں بھی بتا دیا جائے، ایسا بتانا اُس پر رحم کرنا ہوگا نہ کہ ظلم کرنا۔مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے اس بابت جو بیان کیا ہے اس کا مفہوم یہی بنتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں اور انعاماتِ ربانی سے آگاہ کر کے اعمالِ صالحہ پر راغب کرنا اور اخروی رسوائی سے قبل از وقت مطلع کر کے برائیوں سے بچانا اور نیکیوں کی طرف مائل کرنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں۔[42]اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور گناہوں پر مغفرت کیے جانے سے انسان کے کردار و شخصیت میں اس طرح بہتری پیدا ہوتی ہے کہ اس میں احکاماتِ خداوندی کی بجا آوری اور انسانیت پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ جب اُس کا خالق اُس پر رحمتیں نازل کرتا اور غلطیوں کو معاف کردیتا ہے تو وہ خود اپنے خالق کی مخلوق پر رحم کیوں نہ کرے اور ان کی غلطیاں کیوں نہ معاف کرے۔ اس طرح اس کی شخصیت میں اخلاقِ حسنہ، بردباری اور برداشت کے سے اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے انسانی زندگی پر انتہائی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ویسے تو تمام صفات میں رحمت کا پہلو پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اتنا کے ساتھ جتنا بھی سخت سلوک ہو تو مقصد کے لحاظ سے اس میں انسان کی بھلائی ہی مقصود ہوتی ہے ۔ اس کا واضح ثبوت قرآنی احکامات ہیں کیونکہ گناہوں پر سزا اور پکڑ کی دھمکی دے کر بھی اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر لعلکم تفلحون اور لعلکم ترحمون کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ یہ تو ہیں سختی سے متعلق صفاتِ الٰہیہ کے مقاصد اور اثرات کہ اس سے بھی انسانی زندگی میں بہتری پیدا ہوتی ہے اور انسان کے اندر برائی کو روکنے اور عدل کی سی صفات پیدا ہوتی ہیں۔جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا تعلق ہے تو یہ دوسری تمام صفاتِ الٰہی پر حاوی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسانی شخصیت، کردار اور اخلاق پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا اثر تو یہ ہے کہ اس سے انسان کے اندر دوسری انسانیت بلکہ تمام مخلوقات کے بارے میں رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے اعمالِ خیر کی بجا آوری کی طرف انسان کی دلچسپی اور توجہ مبذول ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب میں حدوں تک پہنچ جانے والوں کو جب توبہ ، مغفرت اور رحمت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو وہ گمراہی اور بغاوت کی دلدل میں پڑنے سے بچ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو راہِ ہدایت پر لانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

References

1 Al-Hashar 59:24.
2 Al-Araaf 7:156.
3 Al-Araaf 7:56.
4 Al-Balad 90:10.
5 Al-Shamas91:8.
6 Syed Qutab Shaheed, Fe-Zilal-Al-Quran, trans-Mahruf Shah, Sheerazi (Lahore: Idara Manshurat-e-Islami, 1997), 6:986.
7 Al-Anbia 21:107.
8 Yunis 10:58.
9 Al-Rahmaan 55:1-4.
10 Jalal-ud-Din, Suyuti, Tafseer Durr-e-Mansur, trans-Muhammad Khalid Khan (Karachi: Darul Ashaat, 2010), 7:733.
11 Shabir Ahmad, Usmani, Tafsse Usmani (Lahore: Life Guard Printers, 2011), 695.
12 Abual-Klam, Azad, Umul-Kitab (Lahore: Maktaba Ahbab, 2012), 20.
13 Al-Jasia45:13.
14 Abu-Al-Ahla, Modudi, Tafheem-ul-Quran (Lahore: Idara Tarjuman-ul-Quran, 2011), 2:488.
15 Ibraheem 14:34.
16 Modudi, Tafheem-ul-Quran, 2:488.
17 Al-Baqara 2:216.
18 Modudi, Tafheem-ul-Quran, 1:126.
19 Abdul Majid, Daryabadi, Tafseer Majdi (Karachi: Majlis-e-Nashriat-e-Quran, 1998), 1:284.
20 Al-Baqara 2:216.
21 Yunis 8:10.
22 Al-Isra 17:70.
23 Nooh 71:19-20.
24 Aal-e-Imran 3:103.
25 Al-Hujurat 49:10.
26 Al-Zuha 93:9-10.
27 Al-Zumar 39:53.
28 Modudi, Tafheem-ul-Quran, 4:380.
29 Al-Baqara 2:186.
30 Al-Rahmaan 55:54.

31 Aal-e-Imran 3:6.

32 Abdul Majid, Daryabadi, Tafseer Majdi, 1:537.

33 Al-Ahzaab 33:3.

34. Muhammad Ashraf Ali, Thanvi, Byan-ul-Quran (Lahore: Maktaba Rahmania, 2011), 3:163.

35 Imaam Muhammad, Ghazali, Ahya-ul Uloom Tran-Muhammad Faiz Awaisi (Lahore: Shabbier broders, 2015), 4:440.

36 Wali ullah, Dehlavi, Hujjatul-Allah-el-Baligha, trans-Abdul Daim (Lahore: Al-Faisal Nashran –w-Tajran Kutub, 2019), 1:234.

37 Al-Zumar 39:48.

38 Muhammad Sana-ul-Allah, Pani Patti, Tafseer-e-Mazhari, Trans-Abdul Daim Jalali (Lahore: Khazeena Ilam-o-Adab 2011), 9:120.

39 Salah-du-Din, Yosuf, Ahsan-ul-Bayan (Lahore: Dar-us-salam, 2008), 607.

40 Al-Rahmaan 55:41.

41 Al-Rahmaan 55:42.

42 Muhammad Ashraf Ali, Thanvi, Byan-ul-Quran, 3:494-495.